Cosmos Multidisciplinary Research E-Journal   Online Available at www.cmrj.in
Recognized International Peer Reviewed Journal   Impact Factor 5.3   ISSN No. 2456-1665

بھارت میں تحقیق و تدوین کی روایت میں امتیاز علی خان عرشی کا کردار

Imtiyaz Ali Khan Arshi's Role
in the tradition of research and editing in India

By
Dr. Farhana Azmi Mohd.Sadique Sheik
Asst. Professor & Head Dept. of Urdu
Mungasaji Maharaj Mahavidyalaya, Darwha, Dist. Yavatmal

مقالہ نگار : ڈاکٹر فرحانہ اعظمی محمد صادق شیخ
اسسٹنٹ پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو
مُنگاساجی مہاراج مہاودیالیہ، دورہا، ضلع ایوت محل

Abstract: *The research article explores Imtiaz Ali Arshi's noteworthy contributions to Urdu research and editing. Arshi, known for his expertise in Ghalib studies and his impact on Urdu, Arabic, Persian, and Pashto literature, demonstrated his dedication through discoveries at the Rampur Reza Library. His meticulous editing preserved textual authenticity, though many of his works remain unpublished, warranting further recognition. Arshi's involvement in publishing Diwan Ghalib exemplifies his editing prowess. Acknowledged as both a respected scholar and talented poet, Arshi's influence persists in contemporary Urdu research and literature, highlighting the importance of ongoing scholarly pursuit. The article advocates for the publication of Arshi's unreleased works and continued exploration of his contributions to Urdu literature.*

Keywords: *Imtiaz Ali Arshi, Urdu Research, Editing, Rampur Reza Library, Manuscripts, Ghalib, Diwan Ghalib, Textual Criticism, Persian Literature, Arabic Literature, Urdu Literature.*

تمہید:

امتیاز علی عرشی اردو تحقیق و تدوین کی دنیا میں ایک چمکتے ستارے کی حیثیت رکھتے ہیں، اور غالب پر ایک اتھارٹی مانے جاتے ہیں۔ ان کی ذہانت و فطانت صرف اردو ادب تک ہی محدود نہیں تھی، بلکہ وہ پشتو، عربی اور فارسی زبانوں پر بھی عبور کامل رکھتے تھے۔ عربی اور فارسی مخطوطات پر ان کے تحقیقی کام نے انہیں برصغیر کے علمی حلقوں میں ایک اہم مقام عطا کیا۔ عرشی کی ادب اور لائبریریوں سے وابستگی نے انہیں علم وادب کی دنیا میں ایک مخصوص شخصیت کے طور پر نشان زد کیا۔ حکومتی منصب سے مستعفی ہونے اور اپنی کاروباری سرگرمیوں میں ناکامیوں کا سامنا کرنے کے بعد، انہوں نے رام پور کی رضا لائبریری میں اپنا مقصد حیات پالیا۔ وہاں انہوں نے اپنے آپ کو فارسی، عربی اور اردو کے نادر نسخوں کی کھوج میں غرق کر دیا، اور اس میدان میں اپنے غیر متزلزل جذبہ کا مظاہرہ کیا۔ علم وادب سے ان کی گہری وابستگی اور لگن سے متاثر ہو کر، ایک انگریز اور لائبریری کے ڈائریکٹر مسٹر چیپ مین نے 1932 میں عرشی کی خدمات حاصل کیں۔ کتابوں اور مخطوطات کے تحفظ اور مطالعہ کے لیے ان کی خدمات اتنی واضح تھیں کہ 1951 میں چیپ مین کے جانے کے بعد، عرشی کو لائبریری کا سربراہ (ڈائریکٹر) مقرر کیا گیا جہاں وہ انتقال (1981) تک اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔

تدوین کیا ہے؟:

اردو ادب میں دیگر کئی اصطلاحات کی طرح "تدوین" کا لفظ بھی عربی زبان سے لیا گیا ہے۔ نورُ اللغات کے مؤلف نور الحسن نیرؔ کے مطابق تدوین "جمع کرنا" یا "مرتب کرنا" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح شان الحق حقی، "فرہنگِ تلفظ" میں تدوین کے معانی "منتشر اجزا کو یکجا کرنا"، "مرتب کرنا" یا "تالیف وترتیب" بتاتے ہیں۔ اصطلاح میں "تدوینِ متن" کے معانی کسی بھی مصنف کی تصنیف کو اصل حالت میں لانے کے ہیں۔ رہا سوال متن کا کہ متن کیا ہے؟ ہر وہ تحریر یا تصویر جو معنی رکھتی ہو اور جس کی تفہیم ممکن ہو "متن" کہلاتی ہے جس کو انگریزی میں Text کہا جاتا ہے۔ متن کی تعریف کے ضمن میں ڈاکٹر خلیق انجم "متنی تنقید" میں رقم طراز ہیں: "متن کے لیے ضروری ہے کہ وہ تحریر ہو۔۔۔ یہ تحریر کاغذ پر مطبوعہ ہو یا غیر مطبوعہ، مختلف دھات کے ٹکڑوں، مٹی یا لکڑی کی بنائی ہوئی لوحوں، پتوں اور پتھروں یا چمڑے، چٹانوں کسی

بھی چیز پر ہو سکتی ہے۔" اس تعریف کے تناظر میں ہر وہ چیز متن ہے جو تحریری صورت میں ہو وہ نظم بھی ہو سکتا ہے اور نثر بھی، سیکڑوں برس قدیم بھی ہو سکتا ہے اور عہد جدید کا بھی، کئی سو صفحات پر مشتمل بھی ہو سکتا ہے اور مختصر ترین بھی، ان تمام باتوں سے صرفِ نظر ہر لکھی ہوئی چیز ''متن'' ہے۔

شان الحق حقی اپنی تالیف "فرہنگِ تلفّظ" میں ''متن'' کا مطلب ''اصل عبارت'' یا ''کسی کتاب، مضمون یا دستاویز کے اصل الفاظ'' لکھتے ہیں۔ متن کی تدوین اصطلاح میں ''تدوینِ متن'' کہلاتی ہے۔ تدوینِ متن سے مراد کسی بھی وجہ سے تحریف شدہ یا بگڑے ہوئے متن کو اصلی حالت میں واپس لانا ہے۔ انگریزی زبان میں تدوینِ متن کے لیے ''Textual Criticism'' کی اصطلاح رائج ہے۔ اردو میں تدوینِ متن کے علاوہ اس کے لیے "متنی تنقید" اور ''ترتیبِ متن'' کی اصطلاحات بھی مستعمل ہیں۔ ڈاکٹر گیان چند جین کے مطابق: ''اردو میں تدوینِ متن سے زیادہ مقبول اصطلاح ترتیبِ متن ہے، دونوں قریب المعنی ہیں۔ ترتیب کے معنی کسی شے کے اجزا کو مناسب تقویم و تاخیر سے رکھنا ہے۔ تدوین کے معنی متفرق اجزا کو اکٹھا کر کے ان کی شیرازہ بندی کرنا ہے...... ترتیب ایک عام لفظ ہے اور تدوین کا تعلّق کتابوں سے ہے۔''

تدوین کے بارے میں ماہرین کی رائے یہ ہے کہ تدوین کوئی علاحدہ علم نہیں ہے بلکہ درحقیقت یہ ''تحقیق'' ہی کی ایک شاخ ہے اور مدّون وہی اچھا ہو گا جو قابل محقق ہو گا۔ جو مدّون تحقیق سے خاص نسبت نہ رکھتا ہو اس کا تدوین کا کام بھی عمدہ اور معیاری نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں: ''تدوین، تحقیق سے جدا فن نہیں۔ یہ تحقیق ہی کی ایک شاخ ہے اس کے لیے انھیں صلاحیتوں اور ذہنی رجحان کی ضرورت ہوتی ہے جو تحقیق کے لیے درکار ہیں۔ اچھے مدّون، محققین کے سوا کوئی دوسرے نہیں۔''

"امتیاز علی عرشی" ایک تعارف:

20ویں صدی میں ہندوستان کی ادبی تاریخ میں، امتیاز علی خان عرشی زبان اور ادب میں علمی تحقیق کے لیے وقف ایک ممتاز شخصیت کے طور پر ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ اگرچہ اس کی بنیاد شبلی نے بہت پہلے ہی رکھ دی تھی- اس کے بعد محمود شیرانی ہی تھے جنھوں نے اس بنیاد کو مضبوط اور مزین کیا۔ ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے محمد شفیع، پروفیسر محمد اقبال، عبدالغنی، سید سلیمان ندوی، قاضی عبدالودود، سید عبداللہ، وحید مرزا، نذیر احمد، ضیاء الدین ڈیسائی، امیر حسن عابدی، نورالحسن انصاری، اور دیگر شامل محققین شامل تھے۔ مولانا عرشی نے اپنی علمی کاوشوں سے اس وراثت کو سنجویا سنوارا اور آگے بڑھایا۔

روایتی مشرقی انداز میں تعلیم حاصل کرنے اور باضابطہ کالج یا یونیورسٹی کی تربیت سے محروم ہونے کے باوجود، مولانا عرشی نے انگریزی زبان میں قابل تعریف مہارت کا مظاہرہ کیا اور مغربی دنیا کے جدید تحقیقی طریقوں کو اپنایا۔ اس مہارت نے انھیں اس قابل بنایا کہ وہ اپنے روایتی ماحول کی حدود میں رہ کر اپنے لیے ایک نیا ماڈل ترتیب دے سکے۔ اس تبدیلی نے انھیں علم و ادب کی دنیا میں قابل قدر مقام عطا کیا-

عرشی اور رضا لائبریری:

رضا لائبریری (کتب خانہ رضا) رام پور، اتر پردیش، بھارت میں واقع ایک قدیمی کتب خانہ ہے جو ہند اسلامی ثقافت و تہذیب سے متعلق کتب ہائے نوادار، قدیمی مخطوطات اور قلمی نسخوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہ نایاب کتابوں اور مخطوطات کے ذخیرے کے طور جانی جاتی ہے، جس کی دیواروں کے اندر علمی دولت کا خزانہ موجود ہے۔ عرشی، اس کے مجموعوں کی کشش سے متاثر ہو کر، خود کو ان خزانوں کی باریک بینی سے جانچنے کے لیے وقف کر دیتی۔ ان کی پوری عمر کا تعلق رامپور کے اس نایاب کتب خانے سے رہا تھا۔ کتب خانے سے ان کو عشق تھا اور تاحیات ان کا تعلق اس سے قائم رہا۔ اس کتب خانے میں عربی، فارسی، اردو تاریخی نوادر کا بیش بہا خزانہ ہے- سیکڑوں ہزاروں نایاب مخطوطے اس کی زینت ہیں اور یہ سب کے سب عرشی کی نظر تحقیق سے گزر چکے تھے۔ ان میں اکثر کو انھوں نے روشناس کرایا اور دنیاے علم سے خراج تحسین وصول کیا- رام پور کی رضا لائبریری میں عرشی کا دور علمی جوش، تحقیق اور دریافت کا مظہر رہا۔

اسلامی کتب کی تدوین و اشاعت:

عرشی نے ہندوستان میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت کی ترقی کا بھی جائزہ لیا ہے۔ ۱۹۲۹ء میں علامہ سید سلیمان ندوی نے مولانا حبیب الرحمن شیروانی کے ایک مقالے پر ایک یادداشت درج کی تھی جس کا ماحصل یہ تھا کہ ہندوستان میں علم حدیث کا چرچا بہت پرانا نہیں ہے، اور احادیث کے مہتم بالشان مجموعے ہندوستان میں عام طور پر روشناس نہ تھے۔ نویں صدی ہجری تک رضی الدین سغانی کی "مشارق الانوار" کا زیادہ رواج ملتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی بدولت مشکوۃ، موطا امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے نسخے ہندوستان پہنچے۔ عرشی کی تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ ہندوستان میں ارباب حدیث کی آمد تبع تابعین کے دور ہی سے شروع ہو گئی تھی، چنانچہ حسن بصری کے دو شاگردوں کے نام تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں، یہ دونوں بزرگ ہندوستان آئے تھے، ان میں سے ایک صاحب کا نام ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ البصری دوسرے ابو حفص

ربیع بن صبیح البصری تھے۔ ان حضرات کی برکت سے علم حدیث کا رواج ہندوستان میں بڑھا- چنانچہ چوتھی پانچویں صدی ہجری کے کئی سندی محدثین کے نام ملتے ہیں۔ عرشی نے قدیم عہد کے محدثین کے نام درج کیے ہیں۔ چھٹی صدی کے چار اہل فن کا نام عرشی صاحب کے مقالے میں ملتا ہے، ساتویں کے ۵، آٹھویں کے ۱۰، نویں صدی کے ۸ البتہ دسویں صدی میں یہ تعداد بڑھ کر ۵۶ ہو جاتی ہے۔ ان ۵۶ اہل علم کا مختصر حال اس مقالے میں مل جائے گا۔ غرض اس دلچسپ موضوع کے سلسلے میں عرشی صاحب کی تحقیق بڑی مفید ہے، ضرورت ہے کہ اس موضوع پر تو کتابیں لکھی جائیں۔

امام سفیان ثوری کا شمار اسلام کے اولین مصنفین میں ہوتا ہے۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ ان کی تصانیف میں سے بیشتر مفقود ہیں۔ ان تصانیف میں سے ایک "تفسیر قران" بھی تھی، وہ بھی مفقود تھی۔ عرشی کو ایک مجموعے میں یہ کتاب مل گئی اور ایک نظر میں وہ بھانپ گئے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کی فکر میں نہ جانے کتنے صاحبان علم سرگرداں رہے۔ یہ بات اہل علم حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ ایسا بڑا انکشاف کبھی کبھی ہی ہوتا ہے۔ یہ انکشاف محض اسی اہل بصیرت کو نصیب ہوتا ہے جس نے اپنی عمر علم کی جستجو میں صرف کی ہو۔ عرشی کے ہاتھ یہ درنایاب لگا، جس کا تعارف انھوں نے ایک فاضلانہ مقالے کے ذریعے کرایا جو رسالہ معارف، اعظم گڑھ میں چھپا۔ اسلامی دنیا کے اس قدیم نسخے کو روشناس کرانے میں عرشی نے جس محققانہ صلاحیت کا مظاہرہ کیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔

عرشی کے عظیم تحقیقی کام کے بارے میں بات کرتے ہوئے ہمیں "نہج البلاغہ" کا پس منظر کچھ اس طرح سامنے آتا ہے۔ قدیم زمانے سے ہی کچھ سنی علما حضرت علی سے منسوب اس تصنیف پر سوال اٹھاتے رہے تھے، اور اس کے علاوہ بہت سے لوگوں کو شبہ تھا کہ کتاب میں جمع شدہ اقوال بنیادی طور پر علی ابن ابی طالب کے اقوال تھے۔ معاصر دور میں 1330 کی دہائی کے آس پاس شکوک و شبہات اپنے عروج پر پہنچ گئے- مصری مصنفین، جیسے احمد امین وغیرہ، نے اس کام کے متن پر تنقید کرتے ہوئے ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کی، جس سے معلوم ہوا کہ علی ابن ابی طالب کے حوالے سے جو کچھ لکھا گیا تھا اس کے کچھ حصے جعلی تھے صدیوں کے بعد بھی اس پر تحقیق سے صرف نظر کیا گیا۔ "نہج البلاغہ" کی صداقت کے دفاع کے لئے شیعوں کے ذریعہ لکھی گئی ایک اہم کتاب، "نہج البلاغہ" کو امتیاز علی خان عرشی نے بڑی عرق ریزی کے بعد اس کی تدوین کی۔ اس سے قبل مرزا حبیبہ اللہ کھوئی نے "نہج البلاغہ" پر منہاج البرقہ کے عنوان سے اپنی تفسیر میں نہج البلاغہ کو دستاویز کرنے کی کوشش کی تھی۔ دیگر علمائے کرام، جیسے حبہ شاہین شہرستانی، ہادی الکاشف الغتہ، وغیرہ نے کچھ کام کیا تھا، لیکن امتیاز علی خان عرشی نے انتہائی سائنسی، منطق اور سنجیدگی سے اس کی تدوین و اشاعت کی۔ جدید عہد کے علوم سے واقفیت کی وجہ سے انہوں نے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ سائنسی فکر اور اسلوب اور طریقہ کار کی مدد سے اپنی اس تحقیق کو شفاف اور استدلالی بنایا، اس سلسلے میں عرشی صاحب نے بڑے بڑے کتب خانوں اور زرائع اور ماخذات کی گہرائی سے جانچ پڑتال کی۔ امتیاز علی خان عرشی نہج البلاغہ میں علی ابن ابی طالب سے منسوب کل تقاریر کے 106 خطبات، 37 خطوط اور 79 مختصر الفاظ دستاویز جمع کرنے میں کامیاب ہوئے۔ انہوں نے پہلے اپنے اس تحقیق اور تدوینی کام کو ہندوستانی ثقافت میگزین میں بطور مضمون شائع کروایا اور بعد میں اضافوں کے ساتھ آزادانہ طور پر چھاپا گیا۔ اس کام کو عربی سے فارسی میں ان کے ایک معاون عامر انصاری نے ترجمہ کیا، اور نہج البلاغہ کے حوالہ سے، مرتضیٰ آیت اللہ زید شیرازی نے عربی سے فارسی میں، ترجمہ کیا۔

دیوان غالب کی اشاعت:

غالب ان کا محبوب موضوع تحقیق رہا ہے، اس سلسلے میں ان کی کئی تصانیف ہیں جن میں مکاتیب غالب، فرہنگ غالب اور دیوان غالب نسخہ عرشی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ دیوان غالب کا جو نسخہ آپ نے تدوین کیا ہے وہ تدوین شدہ تمام نسخوں میں سب سے مستند نسخہ سمجھا جاتا ہے اور اسے اردو میں متنی تدوین کے بہترین نمونوں میں بھی شمار کیا جاتا ہے۔

عرشی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انھوں نے پہلی بار غالب کے تمام اردو کلام کو تاریخی ترتیب اور صحت متن کے ساتھ اور دوسرے تمام تحقیقی اصولوں کو مد نظر رکھ کر ترتیب دیا۔ جب کہ اس سے پہلے ڈاکٹر عبد اللطیف نے غالب کے اردو اشعار کو تاریخی ترتیب سے پیش کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر ان کی کوشش پوری نہ ہو سکی اور اس عظیم کارنامہ کی خواہش تشنہ رہ گئی۔ اس کے بعد شیخ محمد اکرام نے بھی "غالب نامہ" اور "ارمغان غالب" میں کلام غالب کی نئی ترتیب پیش کرنا چاہی مگر وہ بھی ناکام رہے۔

عرشی نے دیوان غالب کی اشاعت 1958 ہندوستان پرنٹنگ ورکس رامپور سے کی۔ 502 صفحات پر مشتمل یہ دیوان نسخ ٹائپ ہے۔ یہ نسخہ اپنی اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے یکتا ہے۔ عرشی نے اس نسخے میں غالب کے تمام مروجہ اردو کلام کو تاریخی ترتیب کے ساتھ اہل ذوق کے سامنے پیش کیا جسے بہت سراہا گیا۔ دراصل اس نسخے کی

بنیاد 1857 کے اُس نسخے پر رکھی گئی ہے جو غالب نے اپنے ہاتھ سے ترتیب دے کر اپنے شاگرد رامپور کے نواب یوسف علی خاں ناظم کی فرمائش پر ارسال کیا تھا۔ یہ نسخہ عرشی کو رامپور رضا لائبریری میں محفوظ ملا۔ انھوں نے سب سے پہلے غالب کے تمام مطبوعہ و غیر مطبوعہ کلام کو یکجا کیا اور ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کے بعد مختلف مصادر سے استخراج کیا۔ نیز اس نسخے کو تدوین متن، ترتیب و تصحیح کے ساتھ مرتب کیا اور غالب سے متعلقہ تمام معلومات کو جو وہ اپنے کلام میں وقتاً فوقتاً کرتے رہے تھے۔ عرشی نے ان سبھی معلومات کو حواشی اور دیباچوں میں شامل کیا۔ دراصل نسخہ عرشی ایک حوالے کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ نیز عرشی کی اس بہترین کارکردگی اور جی توڑ محنت کو دیکھتے ہوئے 1961 میں انھیں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔

عرشی نے اس نسخے میں بڑی تفصیل کے ساتھ غالب کی تمام اصلاحوں سے روشناس کروایا ہے کہ کس طرح غالب نے تراش و خراش سے اپنی تخلیق کو زیادہ سے زیادہ پر اثر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ نیز عرشی نے غالب کے اُن تمام نظریات کو جو انھوں نے شعر و سخن کے متعلق دیے تھے ایک ایک کرکے نمایاں کیا۔ نیز نسخہ عرشی کو اولیت اس لیے بھی حاصل ہے کیونکہ اس میں غالب کا سارا اردو کلام مدون ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بھی جو نسخہ حمیدیہ میں شامل تھا۔ اس طرح غالب کا وہ تمام کلام بھی جو مختلف بیاضوں، رسائل و اخبارات کے فائلوں اور غیر معروف ماخذوں میں جمع تھا اُسے چن کر، اس نسخے میں شامل کر دیا گیا ہے۔

عرشی نے خاص طور سے غالبیات میں بہت اضافے کئے۔ مثلاً یوسف علی خان ناظم اور نواب کلب علی خاں کے نام غالب نے جو خطوط لکھے تھے وہ رام پور کے دار الانشاء میں محفوظ تھے۔ عرشی صاحب نے ان خطوط کو "مکاتیب غالب" کے نام سے مرتب کیا اور 183 صفحات پر مشتمل طویل مقدمہ کے ساتھ 1937 میں شائع کیا۔ اس کے علاوہ فارسی اور اردو پر کتاب "انتخاب غالب" کے نام سے شائع کی۔ اس کتاب کا دیباچہ عرشی کی محققانہ علیت کا مظہر ہے۔ غالب نے اپنے کلام میں بعض ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو انھیں کے ساتھ مخصوص تھے یا فارسی و اردو کے مشکل الفاظ کا استعمال کیا ہے جسے عام قاری سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ لہذا عرشی نے ایک اہم کام یہ کیا کہ غالب کی اردوئے معلی، عود ہندی، ابر گہر، انتخاب غالب، پنج آہنگ، تیغ تیز، دستنبو، قاطع برہان اور غالب کی دوسری تخلیقات کی مدد سے انھوں نے فرہنگ تیار کی۔ جو 1947 میں "فرہنگ غالب" کے نام سے شائع ہوئی۔

مقالات عرشی کی خصوصیات:

عرشی کے تحقیقی مقالوں میں ان کی وسعت علمی، وسیع النظری اور پاکیزہ بیانی کی چھاپ واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔ ان کی اس عظمت کو تمام محققوں نے قبول کیا ہے اور ان کی گراں قدر خدمات کو سراہا ہے۔ بقول نذیر احمد وہ بعض اعتبار سے ہندوستان کے اکثر محققین سے ممتاز ہیں اور انھیں یہ امتیاز عربی و فارسی اور اردو پر زبردست عبور کے ساتھ ساتھ پشتو اور انگریزی سے بخوبی واقفیت کی بنا پر حاصل ہے۔ ان کے تحقیقی کارناموں میں جو وسعت نظر آتی ہے، وہ ان کی انھیں کمالات کی رہین منت ہے اور اگر ہندوستان میں ادبی تحقیق کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو بہت کم حضرات نظر آئیں گے، جو ان علمی اوصاف کے امین ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ جو چیز عرشی جیسے محققوں کو تحقیق کی حرمت اور اس کے معیار کا محافظ بناتی ہے، وہ علمی و تحقیقی صلاحیتوں کے ساتھ اس فن سے ان کا عشق اور جاہ و نقد سے بے نیازی ہے۔

عرشی کے تحقیقی مقالات و نگارشات کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں تحقیق کی نئی راہیں کشادہ ہوتی نظر آتی ہیں۔ اول وہ کسی تحقیقی و علمی بحث کے دوران تمام ممکنہ دلائل و براہین جمع کر دیتے ہیں اور حتی الامکان اپنی دلیل کو پختہ اور نتیجہ خیز بناتے ہیں، لیکن ساتھ ہی ان کی تحقیقی کاوشوں کا امتیاز یہ بھی ہے کہ جہاں کہیں بھی شک و شبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے تو وہ خود بھی مزید تحقیق کی دعوت دیتے ہیں، تاکہ حقائق کی بازیافت کا عمل جاری رہے۔

گذشتہ صدی میں امتیاز علی خاں عرشی ہندوستان کے ان چند اشخاص میں سے تھے، جنھوں نے فارسی زبان و ادب سے متعلق اہم تحقیقی کارنامے انجام دیے۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں شبلی نے اس کی باضابطہ بنیاد ڈالی اور محمود شیرانی نے اس پر ایک مضبوط قلعہ کی تعمیر کی۔ ان کے بعد جن حضرات نے اس کی پاسبانی، تحفظ اور اسے مزید کارآمد اور آراستہ کرنے میں اہم رول ادا کیا، ان میں محمد شفیع، پروفیسر محمد اقبال، عبدالغنی، سید سلیمان ندوی، قاضی عبدالودود، سید عبداللہ، وحید میرزا، نذیر احمد، ضیاء الدین دیسائی، امیر حسن عابدی اور نورالحسن انصاری وغیرہ کا نام خاص طور سے لیا جاسکتا ہے۔ عرشی اس سلسلے کی ایک اہم کڑی تھے۔ اردو، فارسی، عربی اور پشتو زبان و ادب کے علاوہ تاریخ و اسلامیات سے متعلق ان کے سوا سو سے زائد مقالات ہند و پاکستان کے ادبی و تحقیقی مجلوں اور رسالوں میں شائع ہوئے۔ ان میں تقریباً پچیس مقالے راست طور پر فارسی زبان و ادب و ثقافت کے مختلف گوشوں سے متعلق ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کی تحقیقات میں تساہلی یا کسی قسم کا ڈھیلا پن ہے۔ وہ چھوٹے سے چھوٹے نکتہ کو بڑی خوبی سے اٹھاتے ہیں اور اس کی مدد سے بعض اہم مطالب و معانی کے حل کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ اپنے تحقیقی و تنقیدی تحریروں میں وہ کسی نکتہ سے اختلاف کرتے وقت جارحانہ انداز اختیار نہیں کرتے۔ البتہ اکثر و بیشتر دیکھا گیا ہے کہ کسی معاصر محقق سے اختلاف رائے کرتے وقت اس کا نام لینے یا حوالہ دینے سے گریز کرتے ہیں، اس سے کئی بار بات ادھوری رہ جاتی ہے۔ اگرچہ بظاہر وہ ایسا احترام

کے سبب کرتے ہیں یا کسی قسم کی نوک جھونک سے بچنے کے لئے کرتے ہو، لیکن اس سے عیب پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاہائے مخفی کی بحث میں عرشی نے جس ایرانی محقق سے اختلاف کرتے ہوئے یہ مضمون لکھا ہے، اسی کا نام نہیں لیا ہے۔ اس سے قطع نظر تحقیق کے غالب اصولوں کو برتتے وقت وہ عموماً بے اعتدالی کے شکار نہیں ہوتے، جیسا کہ ان کے معاصرین میں خاص طور سے قاضی عبدالودود کے یہاں دیکھنے کو ملتا ہے، جو معیار کو اعلیٰ رکھنے کے لیے یا بالکل کسی غلطی یا سہو سے پاک رکھنے کی اپنی متشددانہ روش کی وجہ سے اپنے بہت سارے تحقیقی کارناموں کو شائع نہ کر سکے۔ لیکن، ان کے برعکس عرشی اپنے معتدل رویہ کے سبب متعدد اہم کتابوں اور نسخوں کی ترتیب اور بلا تاخیر اشاعت میں کامیاب رہے، جن میں غالب سے متعلق دواوین اور دیگر کتب و آثار کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اس کے باوجود ان کی بعض اہم تحقیقات ہنوز منتظر اشاعت ہیں، جن میں سب سے اہم حضرت عمر فاروق کے خطوط ہیں، جن پر ترتیب و تحقیق کا کام انھوں نے اوائل عمر ہی سے شروع کر دیا تھا اور پوری زندگی اس سے بے توجہ نہ ہوئے۔

دیگر کتب کی تدوین اشاعت:

عرشی کی دیگر تدوین شدہ تصانیف میں مقالاتِ عرشی، فہرستِ مخطوطاتِ اردو، رام پور رضا لائبریری میں عربی مخطوطات کا کیٹلاگ، دستور الفصاحت، مکاتیب غالب، فرہنگ غالب، باغ دودر، نادراتِ شاہی، تاریخ محمدی وغیرہ شامل ہیں۔ 1943 میں اردو کے نقطہ نظر سے "دستوالفصاحت" شائع ہوئی۔ انھوں نے 1926 میں "تاریخ اکبری المعروف بہ تاریخ قندھاری" مرتب کی۔ جو 446 صفحات پر مشتمل ہے یہ عہد اکبری کے درباری تاریخ ہے۔ عرشی کو اس کے دو ہی نسخے ملے۔ اس کا ایک نسخہ رضا لائبریری اور دوسرا نسخہ کیمرج میں محفوظ ہے۔ انھوں نے ان دونوں نسخوں کو سامنے رکھ کر یہ جلد تیار کی۔ 1960 میں امتیاز علی خان عرشی نے 338 صفحات پر مشتمل مرزا محمد حارثی بدخشی دہلوی کی تاریخ کے موضوع پر "تاریخ محمدی" لکھی۔ حارثی نے ایک ہجری سے 1161ھ تک کے مشاہیر کی وفیات مرتب کی تھی۔ عرشی نے میر علاء الدین قزوینی کا " تذکرہ نقائس المآثر" اور مرزا خان بن فخر الدین احمد کی کتاب" تحفۃ الہند" کے تنقیدی جلدیں بھی تیار کئے گئے۔ جو عرشی کی زندگی میں شائع نہیں ہو سکے۔ امتیاز علی عرشی کے کئی کام ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔ غالب پر لکھے ان کے بہت سے مضامین ادبی جرائد میں دفن ہیں اور انہیں کتابی شکل میں جمع کرنے کی ضرورت ہے۔

عرشی کے تحقیق و تدوین کا ایک بہترین نمونہ احمد علی یکتا کی "دستور الفصاحت" ہے۔ اس کتاب کے دیباچے میں انھوں نے بہت سی معلومات یکجا کی ہیں، جو ان کے وسیع مطالعے کے ضامن ہیں اور کڑی محنت و ریاضت کا ثبوت بھی۔ شاہ عالم ثانی کے اردو فارسی اور ہندی کلام کو "نادرات شاہی" کے نام سے شائع کیا۔ اس کتاب کا بھی دیباچہ بہت ہی علمی ہے۔ عرشی کے نادر و نایاب کتابوں کے ذخیرہ میں ایک بیش قیمت اضافہ ہے۔ اس سے ہمیں شاہ عالم ثانی کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

اس کے علاوہ انشاء اللہ خان انشاء کی مختصر کہانی "سلک گہر" کو بھی عرشی اپنے دیباچے کے ساتھ 1948 میں اسٹیٹ پریس رام پور سے چھپوایا، "محاورات" کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں بیگمات کے محاوروں کو جمع کیا ہے۔ خان آرزو کی "نوادر الفاظ" میں خواتین کے محاورے اور الفاظ نقل کئے گئے تھے۔ سعادت یار خاں رنگین نے بھی "دیوان ریختی" میں بیگمات کے محاوروں کو جمع کیا تھا۔ عرشی نے "دیوان ریختی" اور "نوادر الفاظ" کو سامنے رکھ کر "محاورات بیگمات" ترتیب دی۔ اس کے علاوہ عرشی صاحب نے کئی عربی کتابوں کے اردو میں ترجمے کئے اور مخطوطات کو بھی مرتب کیا۔

امتیاز علی عرشی ایک بلند پایہ محقق ہونے کے ساتھ ایک بہترین شاعر بھی تھے - وہ مشاعروں میں شمولیت کو پسند نہیں کرتے تھے، اور اپنی شعری تخلیقات کی رسائل و جرائد میں اشاعت سے بھی ممکنہ حد تک پرہیز کیا کرتے تھے۔ ان کی شاعری زیادہ تر رام پور سے شائع ہونے والے ادبی رسالے "نیرنگ" میں شائع ہوتی تھی جس کے مدیر عزیز اللہ خان صاحب عرشی کے دوست تھے۔ ان شعری مجموعوں کو بھی جمع کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کی زندگی پر روشنی ڈالنے اور ان کے کاموں کو اجاگر کرنے والی کئی کتابیں اور مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ عرشی نے شاعروں اور ادیبوں سے متعلق تحقیقی مقالات بھی لکھے مثلاً

- سودا کا ایک قصیدہ اردو ادب علی گڑھ 1950
- آنند رام مخلص کے اردو شعر، معاصر پٹنہ حصہ 1 مئی 1951
- خطوط داغ، اردو ادب علی گڑھ ستمبر 1952
- مومن کا کلام فارسی۔ پگڈنڈی، امرتسر جنوری 1960
- ناسخ کے دفتر پریشاں کا بیش قیمت سودہ۔ قومی زبان کراچی مئی 1979

حرف آخر:

امتیاز علی خان عرشی اردو کے شاعر، نقاد اور محقق تھے۔ ان کا عربی اور فارسی ادبیات کا بہترین مطالعہ تھا۔ اساسی طور پر متنی نقاد تھے۔ ان کی تحریریں متنی نظریئے کے حوالے سے ایک بھرپور سیاق اور پس منظر کی حامل ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں تحقیق اور تدوین کے شعبے میں، امتیاز علی خان عرشی کا نام ایک اہم شخصیت کے طور نظر آتا ہے۔ جو ایک تجربہ کار اسکالر، محقق، ایڈیٹر اور اردو عربی اور فارسی کے معروف عالم کے طور پر اپنی علمی و تحقیقی خدمات کے لیے مشہور ہیں۔ ان کی باریک بین نظر، گہری علمی سمجھ، اور اختراعی نقطہ نظر کے سبب تحقیق کے مختلف شعبوں میں نمایاں طور پر اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ عرشی کا طریقہ کار روایتی طریقوں اور جدید تکنیکوں کا ہم آہنگ امتزاج پر محیط ہے، جو ایک افزودہ تعلیمی ماحول کو فروغ دیتا ہے جو پرانے اور نئے کو بغیر کسی رکاوٹ کے مربوط کرتا ہے۔ انھیں اپنی تدوینی مہارت کے لیے بڑے پیمانے پر سراہا جاتا ہے۔ تدوین و تحقیق کے عمل میں ان کی محتاط خدمات نے محققین اور ماہرین ادب کو حد درجہ متاثر کیا ہے اور ان کے لئے تحقیق اور تدوین کی نئی نئی راہیں ہموار کی ہیں۔ مجموعی طور پر، امتیاز علی خان عرشی ہندوستان میں تحقیق اور تدوین کے منظر نامے پر اپنی پائیدار وراثت کو ثابت قدمی کے ساتھ علمی دنیا تک منتقل کرنے میں کامیاب رہا- ان کی کاوشیں ثقافتی ورثے کے تحفظ کے لیے ایک پرجوش لگن، اور علمی تحقیق کو بلند کرنے کے لیے ایک غیر متزلزل جوش کا مظہر ہے۔ علم تدوین میں ان کی مثالی شراکتیں ہندوستان میں محققین اور ایڈیٹرز کی آنے والی نسلوں کے لیے ایک معیار قائم کرتی ہیں۔

کتابیات:

1. نور اللغات، نورالحسن نیر: ترقی اردو بیورو، نئی دہلی: 1989
2. فرہنگِ تلفظ، شان الحق حقی: افتخار عارف: راول پنڈی, پاکستان: 2017
3. ''متنی تنقید، ڈاکٹر خلیق انجم: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی: 2006
4. لسانی مطالعے، گیاں چند جین: ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی: 1979
5. دیوان غالب (نسخۂ عرشی)، مرزا غالب، مرتب: امتیاز علی عرشی:: انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی، 1971
6. دیوان غالب نسخۂ عرشی کا تحقیقی، ڈاکٹر محمّد سعید: ادارہ فروغ اردو لاہور: 2017
7. انتخاب غالب، امتیاز علی عرشی: مطبۂ قیمہ، بمبئی: 1942
8. مقالات عرشی، امتیاز علی عرشی: مجلس تحقیقات علمیہ، حیدرآباد: 1970
9. حضرات صوفیا کے تذکرے، امتیاز علی عرشی: رامپور رضا لائبریری، رام پور: 1994
10. اردو تحقیق و تدوین کی روایت: امتیاز علی خان عرشی اور قاضی عبدالودود کی خدمات کی روشنی میں، ڈاکٹر الطاف حسین نقشبندی: اردو ریسرچ جرنل، شمارہ اکتوبر 2016
11. اردو تحقیق اور مولانا امتیاز علی عرشی، نوشین حسن: ماہنامہ اردو دنیا: اکتوبر 2020
12. تدوین اور تدوینِ متن کی روایت، فرہاد احمد فگار: https://ibcurdu.com/news/45014 :/ 2017

By
Dr. Farhana Azmi Mohd.Sadique Sheik
Asst. Professor & Head Dept. of Urdu
Mungasaji Maharaj Mahavidyalaya, Darwha, Dist. Yavatmal

☆ ☆ ☆